ڈاکٹر نوازش علی

فراق شناسی اور تحقیق کے مسائل

فراق گورکھپوری بعض اہم شعراء کی طرح متنازعہ ادبی شخصیت تھے۔ ان کی پرستش بھی ہوئی اور ان پر اعتراضات بھی ہوئے۔ ان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں سے بہت سے مضمون نگار نالاں بھی رہے۔ ان کی شاعری کی مدح بھی ہوئی اور ان کی شاعری کے خلاف بھرپور ردعمل بھی ہوا۔ لیکن عام طور پر فراق کے نقادوں نے ان کے بارے میں وہی کچھ لکھا جو فراق چاہتے تھے۔ یہ نقاد، فراق کی اپنی شاعری کے بارے میں لکھی ہوئی تحریروں کے حصار سے باہر نہیں نکل سکے۔ یہاں فراق کی کامیابی اور نقادوں کی ''تنقیدی صلاحیتوں کی نارسائی'' کھل کر سامنے آتی ہے۔ فراق کے اپنی شاعری اور شخصیت کے بارے میں تخلیق کردہ طلسم کو توڑ کر اور ان کی تحریروں کو بھلا کر، ان کی شخصیت و شاعری کا مطالعہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اکثر و بیشتر نقادوں سے مجھ سمیت یہ کام پورے طور پر نہیں ہو سکا۔ ہر قدم پر فراق کی اپنی شاعری اور شخصیت کے بارے میں ان کی تحریریں راستہ کاٹ کاٹ جاتی ہیں لیکن تحقیق کی مصیبت یہ ہے اور اس کی تنگ دامنی کا حال یہ ہے کہ بعض مقامات پر بنیادی مآخذ بھی بہ امر مجبوری فراق کی تحریروں کو ماننا پڑے گا۔ چنانچہ فراق کے اپنے گرد بنے ہوئے طلسم اور ان کے کئی ایک نقادوں کی اڑائی ہوئی گرد کی وجہ سے حقیقی فراق کی تلاش ایک مشکل مرحلہ ہے تاہم گرد اور حصار سے باہر نکل کر ان کی شخصیت اور شاعری کا جائزہ لینے کی اپنی سی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

فراق ایک ایسے شاعر ہیں جن کی شاعری کو ان کی شخصیت سے علیحدہ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان کی شاعری پر جب بھی بات ہوگی، لازماً راستے میں ان کی شخصیت بھی آن کھڑی ہوگی۔ جیسے میر تقی میر کے سلسلہ میں ان کے والد علی متقی کی تعلیمات اور ''عم بزرگوار''

Scanned by CamScanner

میر امان اللہ کی تربیت کو مدنظر رکھے بغیر، میر کے تصورِ عشق کی وسعتوں اور گہرائیوں کو پورے طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح فراق کی شخصیت کو سمجھے بغیر ان کی شاعری کے بارے میں گفتگو کو مکمل طور پر نہیں سمیٹا جا سکتا۔ لیکن ایک نشست میں شخصیت اور شاعری کے تمام مراحل اور تحقیقی مسائل پر سیر حاصل گفتگو ممکن نہیں۔ لہذا شخصیت کے سلسلہ میں جو تحقیقی مسائل سامنے آتے ہیں، محض ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی شخصیت کو سمجھنے اور کسی حد تک ان کی شاعری تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔

فراق اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور اپنی شاعرانہ جہات کو دنیائے ادب کے سامنے پیش کرنے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ شخصیت کے حوالے سے اپنی بڑائی کا ایک حصار قائم کرنے کی کوششوں کے سلسلہ میں ان کا پی۔سی۔ایس اور آئی۔سی۔ایس کا واقعہ بھی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نقادوں کے بے شمار بیانات اور بذاتِ خود فراق کی ان گنت تحریروں سے گریز کرتے ہوئے مختصراً یہ کہ 1919ء میں بی۔اے کرنے کے بعد فراق کو پی۔سی۔ایس یعنی ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ مجنوں گورکھپوری نے لکھا اور اس کی تصدیق شری پتی سہائے (فراق کے چھوٹے بھائی) نے راقم سے لکھنؤ میں گفتگو کرتے ہوئے کی کہ پروفیسر ایس۔سی۔ڈن نے گورکھپور کے انگریز کلکٹر سے باہمی مشورہ کے ذریعے فراق کو پی۔سی۔ایس میں نامزد کروادیا لیکن فراق پی۔سی۔ایس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آئی۔سی۔ایس میں بھی منتخب ہو گئے تھے بلکہ ان کی پہلی پوزیشن بھی تھی۔ انہوں نے جہاں بھی پی۔سی۔ایس کی بات تحریر کی ہے وہیں لازماً اپنے آئی۔سی۔ایس ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کا محض ایک بیان دیکھئے جس میں انہوں نے اپنی قابلیت، اپنے انگریزی لب ولہجہ اور اپنی ذہانت کو کس انداز سے مشتہر کیا ہے۔

''بی۔اے کا نتیجہ نکلتے ہی مجھے ڈپٹی کلکٹر کے لیے گورنمنٹ نے منتخب کیا اور کچھ مہینوں کے بعد آئی۔سی۔ایس کے لیے میرا انٹرویو ہوا جس میں [illegible] انگریز افسران میرے ممتحن

تھے۔ مجھ سے ایک سوال یہ بھی کیا گیا تھا کہ کیا میں پہلے
انگلستان ہو آیا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو اپنے صوبے
سے بھی باہر نہیں جا سکا۔ اس پر سب نے بیک آواز کہا

"we don't believe you"

شاید اس سوال کے پہلے کے سوالوں کے جوابات میں نے
اتنے اچھے دیئے تھے کہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ لب ولہجہ اور
ذہانت اسی نوجوان میں پائی جا سکتی ہے، جو انگلستان رہ چکا ہو
اور انگلستان میں تعلیم حاصل کر چکا ہو۔ پھر طرہ یہ کہ میرے ایک
انگریز پروفیسر نے مجھے تحریراً یہ سند دی تھی کہ اس قابلیت کا
نوجوان اسے آکسفورڈ میں بھی نظر نہیں آیا تھا''۔

[فراق گورکھپوری۔ ''یادِ رفتگاں''۔ مطبوعہ ''الہ آباد یونیورسٹی اردو میگزین''۔
فراق نمبر ۱۹۸۳ء۔ ص ۱۱۳]۔

ایک عجیب بات یہ کہ فراق کو اتنی اہم سند دینے والے انگریز پروفیسر کا نام یاد نہیں رہا۔ بہر حال کسی بھی شاعر و ادیب کا آئی۔ سی۔ ایس ہونا اس کے ادبی مرتبے کو بڑھانے کے کام نہیں آ سکتا۔ لیکن فراق بار بار یہ ذکر کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ نرے شاعر و نقاد نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے زمانے کے قابل ترین اور اہم ترین آدمی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ پی۔ سی۔ ایس بھی ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ ایک ذہین اور پڑھے لکھے شاعر و نقاد ہیں لیکن وہ خود اشتہاریت کے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی قائل تھے اور شہرت کے لیے ہر قسم کی حرکت کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اپنے آپ کو آئی۔ سی۔ ایس کہنے میں تو انہیں کوئی ابنارمل حرکت کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اپنی شخصیت کے حوالے سے خود اشتہاریت بھی فراق شناسی کے مسائل میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ دوسری طرف وہ نقاد اور محققین ہیں جو فراق کی کسی بات کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور فراق شناسی میں کئی

Scanned by CamScanner

طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتے اور مسائل پیدا کرتے ہیں۔ جگن ناتھ آزاد ان کے آئی۔ سی۔ ایس میں منتخب ہونے کو بالکل بے بنیاد قصہ بتاتے ہیں۔ پہلے ان کا ایک بیان دیکھیے پھر بات کو آگے بڑھاتے ہیں:

> ''فراق اس راز کو پا گئے تھے کہ ایک ہی بات اگر بار بار کہی جائے تو سننے والے کے دل و دماغ پر کچھنہ کچھ اثر چھوڑ جاتی ہے..... مثلاً وہ اپنا آئی۔ سی۔ ایس والا بے بنیاد قصہ اس وقت تک بھی سناتے رہے جب پوری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہو چکا تھا اور کئی رسائل اور اخبارت میں چھپ چکا تھا کہ یہ واقعہ نہیں ہے گپ ہے..... آئی۔ سی۔ ایس والی بات کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے''۔

[جگن ناتھ آزاد۔ ''کچھ فراق کے بارے میں''۔ مطبوعہ رسالہ ''اوراق''۔ نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ء۔ ص ۱۴۱]

اب ذرا ''پوری تحقیق'' کا قصہ بھی سن لیجئے۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۸ء کو انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی میں ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کے دفتر میں جگن ناتھ آزاد صاحب سے اچانک میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے ان سے ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کی موجودگی میں ان کے مضمون کا ذکر چھیڑ دیا کہ آپ نے لکھا ہے کہ فرق اپنا آئی۔ سی۔ ایس والا بے بنیاد قصہ اس وقت تک سناتے رہے جبکہ پوری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہو چکا تھا کہ وہ آئی۔ سی۔ ایس نہیں تھے۔ یہ تحقیق کب، کہاں اور کس نے کی۔ کیونکہ آپ نے انتہائی وثوق سے یہ جملہ لکھا ہے اور حوالہ دینے کی زحمت بھی نہیں کی کہ کون محقق تھے جنہوں نے یہ تحقیق کی تھی۔ جگن ناتھ صاحب فرمانے لگے کہ فراق اس سلسلے میں جھوٹ سے کام لیتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ آئی۔ سی۔ ایس نہیں تھے اور انہوں نے کبھی تردید نہیں کی۔ میں نے عرض کی کہ آپ نے ''پوری تحقیق کے بعد'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مجھے دوسروں کی تحریروں

Scanned by CamScanner

سے غرض نہیں کیونکہ بہت سوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس وقت تو مجھے آپ کے جملے سے غرض ہے اور کیا فراق کی طرف سے یہی تردید کافی نہیں کہ وہ بقول آپ کے، ثابت ہو جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو آئی۔سی۔ایس کہتے رہے۔ میرے جواب پر کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر کہنے لگے کہ کیا واقعی میں نے ''پوری تحقیق'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں؟ میں نے پھر ان کا جملہ دہرایا تو کہنے لگے میں ایسے ہی رواروی میں ''پوری تحقیق'' کا جملہ لکھ گیا ہوں گا..... میں نے یہ گفتگو اپنے مقالے میں لکھنے کی ان سے اجازت طلب کی اور انہوں نے کمال مہربانی سے اجازت مرحمت فرمائی..... جب قاطع قسم کی تحریروں کا یہ حال ہو تو پھر فراق شناسی کے بعض مراحل مشکلات کے بغیر کیسے طے کیے جا سکتے ہیں؟..... بہر حال یہ مسئلہ ہمیشہ لاینحل رہے گا۔ اپنے اپنے ماخذات کی روشنی میں ہر کوئی اپنا فیصلہ دے گا۔ البتہ فراق کے بھائی شری پتی سہائے نے راقم کو بتایا کہ آئی۔سی۔ایس والی بات فراق کہا کرتے تھے، مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ بعد ازاں فراق ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ سے مستعفی ہو کر تحریک آزادی میں شامل ہو گئے۔

۱۹۳۰ء میں فراق یونیورسٹی میں لیکچرر ہو چکے تھے۔ اپنی چال ڈھال، شکل و صورت وغیرہ کے باعث وہ جلد ہی لڑکوں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ ان کی پوری شخصیت اپنے انوکھے پن اور انفرادیت کی وجہ سے بے پناہ کشش کی حامل تھی۔ طلباء انہیں نہایت استعجاب اور تحیر سے دیکھتے۔ استعجاب اور تحیر ان کی شخصیت کے علاوہ ان واقعات کا بھی پیدا کردہ تھا، جو ان کے بارے میں یونیورسٹی میں زبان زدِ خاص و عام تھے۔ طلباء ان سے ڈرے سہمے رہتے۔ وہ یونیورسٹی میں جدھر سے بھی گزرتے طلباء ان کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے۔ ان کی شخصیت کے گرد مختلف واقعات نے ایک پراسرار ہالہ سا بنا دیا تھا۔ وہ اپنی جوانی ہی میں ایک افسانہ بن گئے تھے۔ لوگ ان کے بارے میں طرح طرح کی ہوائیاں چھوڑتے رہتے اور جھوٹی سچی کہانیوں کو رواج دیتے رہتے تھے۔ اگرچہ ان کہانیوں کو پھیلانے میں خود فراق کا بھی ہاتھ رہا ہے کہ وہ خود بھی ایک افسانہ بن جانا

Scanned by CamScanner

چاہتے تھے۔ غلط اور جھوٹے واقعات گھڑنے میں جہاں دوسروں کا ہاتھ ہوتا وہاں خود فراق بھی اپنے بارے میں غلط سلط باتوں کو ہوا دیتے رہتے تھے۔ صرف اپنے بارے ہی میں نہیں بلکہ دوسروں کے بارے میں بھی انکے تخیل کی جولانیاں اپنا رنگ دکھاتیں۔ تاکہ ان کا ''ذکر خیر'' ہر محفل میں ہو، ہر جگہ ان کے چرچے ہوں۔ وہ خود ایک اسطور بن جانا چاہتے تھے۔ ہر وہ واقعہ جو انہیں موضوع گفتگو بنائے، انہیں مرغوب ہوتا، چاہے اس میں سچائی کا شائبہ تک موجود نہ ہو۔ اس موقع پر ایک کہانی کی تردید کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پنڈت امرناتھ جھا جو ایف اے میں فراق کے ہم جماعت اور دوست تھے، کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

> ''ایم اے میں جب فراق صاحب اور جھا صاحب پڑھتے تھے تو صدر شعبہ نے بلا کر فراق صاحب سے کہا کہ تم اس سال امتحان نہ دو تا کہ امرناتھ جھا کو پہلی پوزیشن مل سکے۔ فراق نے جواب دیا میں کیوں نہ امتحان دوں۔ اگر جھا کو ڈر ہے کہ ان کی پہلی پوزیشن نہیں آ سکتی تو ان سے کہیے کہ وہ اس سال ڈراپ (drop) کر جائیں''۔

[مشتاق نقوی۔ ''فراق صاحب'' جلد اول۔ ص ۶۶۔ لکھنؤ ۱۹۸۴ء]

سالہا سال تک یونیورسٹی کے طلبہ اس افسانے کو آنے والے طلباء تک منتقل کرتے رہے۔ دونوں اصحاب یونیورسٹی میں برسوں تک اکٹھے تعلیم کے شعبہ سے منسلک رہے لیکن کسی بھی دوسرے صاحب نے ان دونوں سے اس کی تصدیق یا تردید نہ چاہی۔ چنانچہ یہ بھی مشہور کر دیا گیا کہ پھر امرناتھ جھا نے فراق کے ساتھ امتحان ہی نہ دیا جیسا کہ فراق کے ایک شاگرد کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے:

> ''سنی سنائی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ جس سال امرناتھ جھا اور فراق ایم۔ اے کے سال آخر کے طالب علم تھے، تو جھا

Scanned by CamScanner

صاحب نے اس خیال سے امتحان نہیں دیا کہ انہیں یہ یقین نہ تھا
کہ وہ فراق کی موجودگی میں سب پر سبقت لے جاسکیں گے''۔

[محمد اویس ''فراق گورکھپوری ایک استاد کی حیثیت سے''۔ مطبوعہ ماہنامہ ''پہچان''۔ کراچی، فروری ۱۹۸۶ء۔ ص ۵۲]

سنی سنائی باتوں سے بھی فراق شناسی کے سلسلہ میں بعض تحقیقی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ کہ تقریباً سبھی غیر مصدقہ بیانات میں فراق ہی کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ بہر حال اوپر بیان کردہ ساری کہانی ہی خود ساختہ اور جھوٹی ہے۔ امر ناتھ جھا اور فراق میور سنٹرل کالج الہ آباد میں ایف اے اور بی اے میں کلاس فیلو تھے یعنی ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ۔ بی اے میں فراق کا ایک سال سنگرہنی کی وجہ سے ضائع بھی ہوا۔ پھر کئی سال بعد ۱۹۳۰ء میں فراق نے ایم اے انگریزی آگرہ یونیورسٹی سے اس وقت کیا جب وہ سناتن دھرم کالج کانپور میں انگریزی اور اردو کے استاد کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ گویا پرائیویٹ امیدوار کے طور پر۔ مزید برآں ۱۹۳۰ء میں ایم اے کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی میں جب فراق کا تقرر بطور لیکچرر ہوا، امر ناتھ جھا اس وقت صدر شعبۂ انگریزی تھے۔ لہٰذا ایم اے میں ہم جماعت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک بار ڈاکٹر گیان چند نے مذکورہ بالا کہانی کا ذکر فراق سے کیا۔ (طلبہ تو ایک طرف رہے خود گیان چند بھی اس افسانے کو حقیقی سمجھتے رہے ہوں گے تبھی تو فراق سے پوچھنے کی نوبت آئی) اور فراق سے اس کی تصدیق یا تردید چاہی تو فراق نے کہا:

''..... یہ بالکل غلط ہے ..... میں ایم اے انگریزی
میں ان کا ہم جماعت تھا ہی نہیں، میں نے کانپور میں رہ کر آگرہ
یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی کیا ہے''۔

[بحوالہ ڈاکٹر گیان چند ''فراق سے میری ملاقاتیں''۔ مطبوعہ ''فراق گورکھپوری''۔ ص ۵۱۔ انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۴ء]

Scanned by CamScanner

فراق نے ایک طویل عمر پائی۔ جس زمانہ میں کوئی نقاد یا ادیب ان سے ملا یا ان کے قریب رہا، اس زمانے میں فراق کا جیسا چلن ہوگا، جوان کے حالات ہوں گے، جوان کے اطوار ہوں گے، جن کیفیات اور رویوں کے زیر اثر ہونگے، اندرونی حالات و واقعات یا بعض باتوں کے پس منظر کو جانے بغیر، انہیں جتنا علم رہا ہوگا، انہوں نے اتنا ہی اور ویسا ہی لکھ ڈالا۔ فراق کے بارے میں محققین نے بے شمار متضاد باتیں بیان کی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر نقاد اور محقق نے اپنے مشاہدے میں آئے ہوئے فراق ہی کو مکمل فراق سمجھ لیا ہے۔

فراق کی سوانح عمری کا سب سے پیچیدہ اور سب سے نازک باب ان کی ازدواجی زندگی ہے۔ ان کی شادی، انکی زندگی کا انتہائی اندوہناک حادثہ ہے، جس کا اظہار وہ ساری زندگی مسلسل کرتے رہے۔ فراق کی ازدواجی زندگی ان کے دوستوں اور ارباب ادب میں مستقل موضوع بحث رہی ہے۔ ایک طرف ان لوگوں کی آراء ہیں جنہوں نے فراق کو ظالم اور بیوی سے متعلق ان کے رویے کو ذلت آمیز اور انسانیت سے گرا ہوا قرار دیا ہے۔ دوسری طرف وہ نقاد ہیں جنہوں نے فراق کے نقطۂ نظر کا تجزیہ کرنے اور اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔ متضاد و متخالف بیانات سے قطع نظر جب فراق نے حقیقت میں جاذبیت نہ پائی تو تخیل میں جنت آباد کر لی۔ ایک اعتبار سے ان کی شاعری اس تخیلی جنت کو کسی طور سے ایک ارضی حقیقت بنانے کی امنگ اور کوشش کا نام ہے۔

فراق کی ازدواجی زندگی کی تصویر گویا میر تقی میر نے اپنے اس شعر میں کھینچ دی ہے۔

؎ نامرادانہ زیست کرتا تھا میرؔ کا طور یاد ہے ہم کو

فراق اس نامرادی کو بامراد بنانے کے لیے عمر بھر پاپڑ بیلا کیے۔ کہیں انہوں نے ہم جنسی میں وہ آسودگی تلاش کی جو انہیں ازدواجی زندگی میں میسر نہ آسکی تھی۔ اور کہیں انہوں نے روح کائنات سے وصل جسمانی کی کوشش کی کہ وہ اپنے جی کو سیراب کر

Scanned by CamScanner

سکیں۔ ان کوششوں میں وہ کہاں تک کامیاب رہے۔ اس کا ذکر ذرا بعد کو آتا ہے۔ پہلے تو یہ طے کرنا ہوگا کہ شادی کی اس ناکامی نے ان کی شخصیت میں کیسی کیسی کجیاں پیدا کر دیں۔ ان کی شخصیت میں احساس عدم تحفظ اور ایک طرح کی انانیت پرستی نے ڈیرے جما لیے تھے۔ ان کے بارے میں انکی انتہائی نازک حساسیت ان کی شاعری میں وہ رنگ پیدا کرتی ہے، جس کا بہترین ظہور میرؔ کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ لیکن دونوں میں بہت فرق ہے۔ میر کی انا ذات کے حصار سے نکل کر حقیقت انسانی کو محیط ہے جبکہ فراق کے ہاں اس سمت میں ایک کوشش جری لیکن ناتمام، نظر آتی ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ اکثر و بیشتر زندگی کی محرومیاں، زندگی کی رفعتوں کی امین بن جاتی ہیں۔ اگر کہیں فراق شعوری طور پر ایک تہذیب نفس کے نظام سے متعلق ہوتے تو شاید وہ ان بلندیوں کو چھو سکتے، جن کی پرچھائیں جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے، صرف میرؔ ہی میں ملتی ہیں۔

انسان کی گھریلو زندگی اس کے لیے احساس تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسا گھر (جیسا کہ فراق کا تھا) جس میں شفقتوں کا مرکز کوئی نہ ہو، محبتوں کا منبع کوئی نہ ہو، ہمدردیوں کا مرجع بھی عنقا ہو، انسان کو سخت غیر محفوظ ہونے کا احساس دلاتا ہے اور عدم تحفظ کا یہ احساس بعض اوقات زندگی میں ایک جارحانہ رویے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ رویہ فراق کی زندگی میں جا بجا نظر آتا ہے۔ بیوی کو گالیوں سے نوازتے ہیں، نقادوں سے بھی الجھتے ہیں، دوستوں پر بھی برستے ہیں اور بعض اوقات کوئی ایسا کام کرنے کی تاک میں رہتے ہیں جس سے وہ دوسروں کو تاؤ دلا سکیں یا دوسروں کو کسی طور پر ذلیل کر سکیں۔ دوسروں کی تحقیر دراصل احساس عدم تحفظ اور احساس تنہائی کے مدافعانہ ہتھیار ہوتے ہیں جنہیں فراق مجبوراً استعمال کرتے ہیں۔ ایسے اشخاص اپنے نظام مدافعت کی بنیاد بھی زود حسی پر رکھتے ہیں۔ وہ اپنی عزت اور مقام کے بارے میں انتہائی نزاکت احساس کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ عدم تحفظ کا احساس بعض اوقات جارحانہ رویے اور بعض اوقات بیمار انانیت پرستی کے روپ میں سامنے آتا ہے اور فراق ایسے افعال پر اپنے آپ کو مجبور پاتے

Scanned by CamScanner

ہیں جنہیں محسن کشی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ واقعات سے قطع نظر یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے آپ سے باہر کسی ہم عصر کی بڑائی کو تسلیم کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے اور کسی پر بھرپور اعتماد زندگی بھر نہ کر سکے۔ اس سبب کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تنہائی کے اس کرب میں جیئے جس کا کامل اظہار تو وجودیت کے کرب (existential anguish) ہی میں ہوتا ہے۔ فراق کی شخصیت کے یہ پہلو ان کی شاعری میں بھی جھلکتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ شاعرانہ تجربہ، انفرادی تجربے کی محض کاربن کاپی یا فوٹو سٹیٹ نہیں ہوتا۔ بڑا شاعر ہی وہ ہوتا ہے جو انفرادی تجربے کی شاعری میں یوں قلب ماہیت کر دے کہ وہ ایک مستقل بالذات حیثیت اختیار کر جائے۔ فراق بڑے شاعر تھے، اس میں تو کلام نہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اپنی شخصیت سے پورا کام لیا لیکن یہ الگ بات کہ ان کی شاعری دوسرے بڑے شعراء کی شاعری کے مقابلے میں اکثر و بیشتر کچی رہ گئی۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی کہ قدرت نے ان کے ساتھ ایسا ہاتھ کیا کہ وہ ایک سرتاپا مصنوعی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ کسی فرد کی کامیاب متاہلی زندگی ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو پوری شخصیت کو ارتباط اور ہم آہنگی عطا کرتا ہے۔ فراق کے ہاں بدقسمتی سے یہ نہ ہو سکا۔ فراق ایک بڑے ذہن کے مالک تھے۔ وہ ذکی الحس ہونے کے ساتھ سریع الحس بھی تھے۔ لطافت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن انہیں نباہ کرنا پڑا بلادت سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بکھر کر رہ گئے۔ اس بکھراؤ کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں فراق پر طرح طرح کے الزام رکھے جاتے ہیں اور یہ بات فراق شناشی کے مراحل طے کرنے میں مسائل پیدا کرتی ہے۔ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ سب کچھ نہ کیا جس کی اہلیت قدرت نے ان کے اندر رکھی تھی۔ کبھی یوں لگتا ہے کہ وہ بڑے ذہن کے مالک ہوتے ہوئے طبعاً چھوٹی چھوٹی خواہشوں کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ کبھی وہ بڑے نقاد اور کمتر شاعر نظر آتے ہیں اور کبھی ایک ایسے بڑے شاعر دکھائی دیتے ہیں جو تنقید کو بھی اپنی شاعری کے تابع کرنا چاہتے ہیں اور اکثر اوقات ان امکانات کو بروئے کار نہیں لا سکے جو انکے شعری افق پر مسلسل

Scanned by CamScanner

جھلملاتے رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں اور فراق شناسی کے یہ سب رویے اور مرحلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ بات صرف زاویۂ نظر کو متعین کرنے کی ہے جس زاویے سے بھی دیکھا جائے گا، حقیقت کا کوئی نہ کوئی گوشہ ضرور اوجھل ہو جائے گا۔ بالخصوص جب زیرِ نظر حقیقت خود ہی عدم ارتکاز کا شکار ہو۔

فراق کی ناکام ازدواجی زندگی نے ان کی شاعری کو بھی یقیناً متاثر کیا۔ اگر بات کو ایک جملے میں سمیٹا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ فراق شاعر اسم با مسمّٰی تھے۔ ان کی شاعری میں وصال کی سیرابی کی بجائے ہجر کی وارفتگی ہی ملتی ہے۔ ان کا وسیع مطالعہ اور ان کا شاعرانہ تخیل اس وفور اور سیرابی کا احساس تو انہیں دلا سکتا ہے، جو وصل کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن اسے نہ تو ان کے لیے زندگی کی ایک محسوس حقیقت بنا سکا ہے اور نہ ہی ان کی شاعری میں وہ رس اور وہ گداز پیدا کر سکا ہے، جو کامیاب ازدواجی زندگی کا تجربہ ہی پیدا کر سکتا ہے۔

فراق کی ناکام ازدواجی زندگی ان کے شاعرانہ وژن ہی کو متاثر نہیں کرتی بلکہ ان کے تنقیدی افق پر بھی عجیب رنگ بکھیرتی ہے۔ فراق نے اپنے مصحفی والے مضمون میں جرأت اور مصحفی دونوں کو کہاں سے کہاں لا کھڑا کیا۔ آخر ان شعراء میں انہیں کیا بات نظر آئی کہ وہ گویا ربودہ ہو گئے۔ جرأت و مصحفی یقیناً اتنے بڑے شاعر نہیں ہیں، جتنے آئینہ فراق میں نظر آتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟۔ جرأت تو معاملاتِ حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں وصل کی وہ چہلیں ملتی ہیں جن سے فراق محروم رہے۔ فراق، جرأت کی شاعری میں اس چیز کو انکی شعری عظمت سمجھتے رہے اور اس کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہے۔ درآنحالیکہ یہ چیز جرأت کے ذاتی تجربے کی دین تھی۔ مصحفی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ مصحفی میں ایک ایسا مسرور گداز یا گداختگی سرور ملتی ہے جو صرف کامیاب ازدواجی زندگی ہی کی دین ہو سکتی ہے۔ فراق اس چیز کے پیاسے تھے اور یہ پیاس کبھی بجھ نہ سکی۔ لہٰذا وہ اس کے حصول کی ہمیشہ ناکام کوشش کرتے رہے اور جن شعراء میں یہ چیز انہیں نظر

Scanned by CamScanner

آئی، ان کی طرف وہ ایک پرمسرت استعجاب سے دیکھتے رہے۔

اس بات کا ایک پہلو فراق کی ان غزلوں میں نظر آتا ہے جو انہوں نے برنگ میر کہی ہیں۔ بادی النظر میں تو فراق کی غزلوں اور میر کی غزلوں میں فرق کے سبب تک رسائی نہیں حاصل کی جاسکتی اور بقول میر یہ کہا جاسکتا ہے۔

؎ وجہ بیگانگی نہیں معلوم تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

ان غزلوں میں ڈکشن بھی میر کا ہے۔ بحریں بھی وہی ہیں۔ لہجہ بھی کم وبیش ویسا ہی اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ غزلیں میر کی غزلوں کی محض بے تہہ نقالی لگتی ہیں، فرق آخر کیا ہے؟ فرق محض یہ ہے کہ یہ پھول (فراق کی برنگ میر غزلیں) تخیل نے کھلائے ہیں۔ یہاں ذہن اور ہاتھ (بمعنی فن) کی کارفرمائی بہت زیادہ ہے لیکن دل کے سوتے خشک ہیں۔ وہ سیرابی ہی فراق کے حصے میں نہیں آئی جس کا تجربہ میر کو ہو چکا تھا۔ فراق کے لیے بیوی سے تعلق دائرۂ حیوانیت سے نکل کر حیطۂ انسانیت میں کبھی آ ہی نہ سکا..... میر بنے تھے فراق، مگر بنا نہ گیا۔

فراق شناسی کا ایک پہلو ان کی ہم جنسیت بھی ہے۔ الہ آباد یونیورسٹی میں انکی ہم جنسی کے قصے زباں زد خاص و عام تھے۔ مشتاق نقوی نے اپنی کتاب ''فراق صاحب'' جلد اول میں ان کی ہم جنسیت کے قصوں پر پورا ایک باب لکھا ہے اور بھی بہت سے ادیبوں نے واقعات بیان کئے ہیں۔ بہر حال واقعات سے قطع نظر، فراق شناسی کے سلسلہ میں اسی رجحان کا نفسیاتی تجزیہ زیادہ موزوں رہے گا۔

فراق کی ہم جنسیت کو عام طور ان کی ازدواجی زندگی کی ناکامی کا نتیجہ سمجھا گیا ہے لیکن یہ بات صرف جزوی طور پر صحیح ہے۔ فراق کی ہم جنسیت میں ان کی مخصوص افتادِ طبع کو بھی بہت دخل ہے۔ وہ بچپن ہی سے شدید حسن پرست واقع ہوئے تھے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی شخصیت کا خمیر ہی حسن پرستی سے اٹھا تھا۔ جدید نفسیات یہ بتاتی ہے کہ نارمل جنسی رویے کی تعمیر میں ایک لازمی مرحلہ ہم جنسیت کا بھی ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ ہم

Scanned by CamScanner

جنسیت active بھی ہو۔ لیکن جذباتی سطح پر اس مرحلے سے گزرے بغیر نارمل حیثیت کی تعمیر ناممکن ہے۔ اس ہم جنسی رویے کا اظہار زمانۂ بلوغت میں اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں سے شدید جذباتی تعلق میں بھی ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ تعلق صرف جذبہ اور احساس کی سطح پر رہتا ہے اور باقاعدہ ہم جنسی افعال میں ظاہر نہیں ہوتا۔ چاہے یہ تعلق محض جذباتی سطح پر ہو یا اس کا اظہار عملی طور پر ہم جنسیت میں ہو، اس مرحلے سے گزرے بغیر نارمل جنسیت کی صحیح تعمیر نہیں ہوتی۔

فراق کی بیوی خوش شکل نہ تھیں۔ ان کی سیرت میں بھی کوئی خاص کشش نہ تھی لیکن اس کے باوجود فراق کا اس کے ساتھ تعلق بہیمانہ سطح کے بھی سبھی تقاضوں کو پورا نہ کر سکا۔ اگرچہ فراق وظیفۂ زوجیت ادا کرتے رہے۔ اس بہیمانہ تعلق میں تواتر کی وجہ سے بھی لازماً ایک جبلی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن فراق کے ہاں وہ بھی نہ پیدا ہو سکی۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتی کہ ان کی شادی بلوغت کے اولیں دور (یعنی ایف اے کے امتحان سے بھی پہلے) ہی میں کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہم جنسی میلانات سے آزاد نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ میلانات شدت پکڑ گئے اور وہ عملی امرد پرستی کا شکار ہو گئے۔

فراق کی شخصیت میں بغاوت کا عنصر بھی شروع ہی سے موجود رہا ہے، ازدواجی زندگی کی ناکامی، جنسی رویے کی ناپختگی اور شخصی بغاوت نے ہم جنسیت کے بارے میں ان کے مخصوص رویے کو جنم دیا۔ فراق اپنے اس رویے پر کبھی نادم نہیں ہوئے۔ ''من آنم'' میں بھی کئی ایک جگہوں پر انہوں نے ہم جنسیت کی حمایت کی ہے۔ دراصل فراق نے امرد پرستی کو اپنی شخصیت کی خامی سمجھنے کی بجائے اپنی شخصیت کی انفرادیت اور ہمہ گیری کا ایک لازمی اظہار سمجھنا شروع کر دیا اور اسکے لیے تاریخ سے شواہد ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کرنے لگے۔

فراق کے اس سلسلہ میں بیانات سے قطع نظر اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ فراق کی امرد پرستی کا ان کی شاعری پر کیا اثر پڑا؟ ایک بات تو بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ

فراق اپنی شخصیت کے سبھی امکانات کو تخلیقی قوت بخش سکنے کے اہل تھے۔ انہوں نے اپنی ہم جنسیت کو بھی ایک تخلیقی سمت دی۔ فراق کے تصور حسن میں اور ان کے محبوب کی مخصوص نفسیات میں فراق کی امرد پرستی کو بھی بہت دخل ہے۔ فراق کی شاعری میں عاشق و معشوق میں جو مستقل کشاکش اور نا قابل عبور فصل اور ازلی دوئی نظر آئی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کے اکثر محبوبوں کا جنس موافق سے متعلق ہونا بھی ہے۔ یہ الگ بات کہ فراق اس حقیقت کو ایسی بلند سطح پر لے جاتے ہیں جہاں محبوب کا موافق یا متخالف صنف سے متعلق ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ فراق کے ہاں حسن و عشق میں ازلی کھینچا تانی کا پہلا اظہار ان کے ہم جنسی عشق ہی میں ہوا،

ازل سے جو نہ مٹ سکی وہ بیکسی تھی عشق کی
تری نگاہ لطف نے ہزار آسرا دیا

بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ واردات عشق میں انسانی سطحوں پر رہتے ہوئے جہاں نا قابل عبور فصل کا احساس ہوتا ہے وہاں کبھی کبھی ایسے لمحات بھی آتے ہیں جہاں ایک مکمل یگانگت کا بھی تجربہ ہوتا ہے جن میں عاشق و معشوق کی انفرادیت یکسر تحلیل ہو جاتی ہے لیکن یہ لمحات بہت عارضی اور ناپائیدار ہوتے ہیں اور یہ ناپائیداری ہی دوئی کے احساس کو مزید گہرا کر دیتی ہے۔ اب دیکھیے فراق کے ہاں وصل و فراق میں جو گہری یگانگت ملتی ہے، اس کا تجربہ بھی انہیں یقیناً اپنے ہم جنس تعلقات ہی میں ہوا۔ فراق کی شاعری میں وصل و فراق ہی کا فرق نہیں مٹتا بلکہ عاشق و معشوق کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا ان کے ہاں محبت کا اندازہ نیاز و ناز سے نہیں ہو پاتا۔

حسن سرتاپا تمنا ، عشق سرتاسر غرور
اس کا اندازہ نیاز و ناز سے ہوتا نہیں

ان کی شاعری میں عاشق و معشوق انسانی قیود سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ انسانی قیود سے آزاد ہو کر جذبہ ہائے بے اختیار کے مختلف رنگ بن جاتے ہیں۔ یہ مرحلہ یعنی

Scanned by CamScanner

عاشق و معشوق کی یکجائی، نارمل متخالف جنسوں کے درمیان عشق سے بھی پیدا ہو سکتا ہے جیسا کہ فارسی کے مشہور مصرع میں اظہار ہوا ہے۔

من تو شدم تو من شدی .....

لیکن کون جانے اس مصرع میں بھی عجمی ذوق کا کس قدر دخل ہے لیکن بہر حال فراق کے ہاں تو عاشق و معشوق انتہائی refined ہم جنسیت کی پیداوار ہیں۔

فراق کی ہم جنسیت کی ایک سطح اور بھی ہے اور اس کا تعلق فراق کے جذبۂ خلاقیت سے ہے۔ فراق کائنات کو اپنی خلاقیت کے مظہر کے طور پر دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ جذبہ ان کے ہاں اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ انہیں عشق، سچا اور گہرا عشق صرف خلاقیت کے کسی بڑے اور عظیم مظہر ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

فراق کی شخصیت اپنے جذبۂ خلاقیت کی وجہ سے پوری کائنات پر چھا جانا چاہتی تھی۔ ان میں انا اس قدر بڑی تھی کہ بعض اوقات اس انا کے سامنے میرؔ کی انا بھی دبتی نظر آتی ہے اور بات صرف ایک انا ہی کی نہیں، شخصیت کے کئی ایک تقاضوں کی ہے۔ حسن عسکری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''.....فراق کے بعض مطالبات میرؔ سے بھی پورے نہیں ہوتے''۔

[''ستارہ یا بادبان''۔ ص ۲۴۶۔ کراچی ۱۹۶۳ء]

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی فراق کی شاعرانہ حیثیت ہی نہیں بلکہ ان کی شاعرانہ شخصیت بھی میرؔ کے مقابلہ میں بہت کمتر رہی۔ اس کی ایک بین وجہ تو یہ سمجھ میں آئی ہے کہ فراق نے اپنی ذات سے باقاعدہ مکالمے کی شعوری کوشش سے ہمیشہ گریز کیا جبکہ میر کے ہاں ذات کی یافت ہی حاصل زیست رہی۔ فراق کے ہاں ایسا کیوں ہوا؟ اس کی بنیادی وجہ فراق کی پرداخت اور ان کی مغربی تعلیم ہے۔ فراق ایک کائستھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کائستھوں میں دانش وری کی روایت تسلیم شدہ امر ہے لیکن دانش وری کو اپنی صحیح

کے لیے مابعد الطبیعیاتی خوراک چاہیے۔ فراق ہندو مابعد الطبیعیات سے ایک دور میں تو کنارہ کش رہے اور ایک دور میں انہوں نے ہندو مابعد الطبیعیاتی تصورات سے محض حسی تعلق قائم کیا۔ فراق کا یہ معاملہ صرف ہندو مابعد الطبیعیات سے ہی نہیں تھا بلکہ ہر اس مابعد الطبیعیات سے تھا جو الہامی ہونے کا دعویٰ کرے یا جو پوری شخصیت کو اپنی گرفت میں لانے کی کوشش کرے۔ فراق نہ صرف رومانی مزاج کے آدمی تھے بلکہ وہ یورپ کی انتہائی گمبھیر اور کثیر الابعادی رومانوی تحریک سے بھی انتہائی متاثر تھے۔ ان کی شخصیت میں وہ سارا پھیلاؤ نظر آتا ہے جو پورے یورپ کی مختلف رومانوی تحریکوں میں جزواً جزواً ابھرا۔ اگر اس پھیلاؤ کو ایک کلیے میں سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ ان کی شخصیت dynamic organicism یعنی متحرک نامیاتیت کا اظہار تھی۔ ایسی شخصیت کائنات کی تعبیر و تشریح کرنے پر اکتفا نہیں کرتی۔ وہ کائنات کو توڑ کر ایک نئی کائنات، ایک مکمل طور پر مربوط ارتقاء پذیر کائنات بنانا چاہتی ہے۔ فراق کے کردار میں ریختگی اور ان کی شاعری میں تنوع، سیمابیت، رمزیت اور خیرگی اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک طرف تو فراق یہ کہتے نظر آتے ہیں:

پوچھ مت کیفیتیں ان کی، نہ پوچھ ان کا شمار
چلتی پھرتی ہیں مرے سینے میں جو پرچھائیاں

تو دوسری طرف یہ کہتے ہیں:

میں بھی کوئی ادا ہوں کیا تیری
مجھ کو اک رنگ پر قرار نہیں

فراق کی یہ بے کلی پیش آمدہ صورت حال کا معروضی اظہار ہی نہیں بلکہ اس کائنات کے تنوع کا رمزی اظہار بھی ہے جس کی تشکیل ان کی شخصیت کی وسعت سے موافقت کر سکے۔

گویا فراق اب ایک مابعد الطبیعیات کی تلاش میں ہیں۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا

Scanned by CamScanner

ہے کہ فراق نے مختلف وجوہ کی بنا پر ذات اور مابعد الطبیعیات سے تعلق توڑا لیکن شاعرانہ تجربہ بالآخر انہیں ایسے موڑ پر لے آیا جہاں انہیں مابعد الطبیعیاتی تصورات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جیسا کہ بیشتر پوری رومانی ادیبوں کے ساتھ ہوا۔ فراق بھی اس سے نہ بچ سکے۔ پرانی مابعد الطبیعیات اور اس پر مبنی دیو مالائی اساطیر بیسویں صدی میں ذہنوں پر وہ گرفت نہیں رکھ سکتے تھے کہ ان کا استعمال قاری اور ادیب کو ایک سطح پر لا کھڑا کرتا۔ نتیجتاً فراق کو ایک نئی مابعد الطبیعیات کا سہارا لینا پڑا۔ فراق کے لیے یہ کام اس قدر آسان تھا کیونکہ فراق کی شخصیت اور ذات ہم آہنگ نہ تھیں اور فراق ذات کی جستجو کے لیے بیتاب نہ تھے۔ اس کے علاوہ فراق ایک نفسیاتی الجھن کی وجہ سے جوان کی شادی کی پیدا کردہ تھی، ماضی کی اقدار سے اپنے آپ کو بے نیاز کر چکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے نئی کائنات کی بنیاد اپنے حواس کی شہادت پر رکھی۔ ان کے ہاں نئی مابعد الطبیعیات کی تشکیل کی کوششیں ''ہنڈولہ'' اور ''آدھی رات'' جیسی نظموں میں دکھائی دیتی ہے۔ ان نظموں میں فراق اپنے گرد و پیش کے حسن کو ایک اسرار اور ایک معنویت اور ایک الوہی جہت دینے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف وہ کائنات کو ایک تقدس عطا کر رہے ہیں، جس تقدس کے سوتے ان کے حسی تجربے سے پھوٹ رہے ہیں، وہیں ایسی نظمیں فراق کی اپنی شخصیت کی توسیع یا enlargement بھی نظر آتی ہیں یعنی فراق میں ایک خالق و مخلوق کے ربط کا احساس ہوتا ہے۔ قاری بھی یہ محسوس کرتا ہے اور فراق بھی یہ محسوس کرانا چاہتے ہیں اور اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں کہ جو بھی تقدس اس کائنات میں انہیں دکھائی دے رہا ہے، وہ خود انہی کا عطا کردہ ہے۔ اگر فراق نہ ہوتے تو نہ صرف یہ کائنات اس قدر مقدس اور حسین نہ ہوتی بلکہ شاید کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اس اعتبار سے فراق پر مغربی فلسفے کے اس شعبے کا بھی گہرا اثر معلوم ہوتا ہے جو اپنی انا (ایگو) کے حوالے سے کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے کائنات ذاتی انا (پرسنل ایگو) ہی کی توسیع کا نام ہے۔ بہر حال فراق کے جذبۂ خلاقیت کا اظہار ان کی بہترین شاعری

Scanned by CamScanner

میں ہوتا ہے۔

جہان غنچۂ دل کا فقط چٹکنا تھا
اسی کی بوئے پریشاں وجود دنیا تھا
اگر خدا بھی ملے تو نہ لے ارے ناداں
ہے تو ہی کعبۂ دیں ، تو ہی قبلہ حاجات

.....

اٹھ بندگی سے مالک تقدیر بن کے دیکھ
کیا وسوسہ عذاب کا کیا کاوش نجات

.....

پیغمبر عشق ہوں سمجھ میرا مقام
صدیوں میں پھر سنائی دے گا یہ کلام
وہ دیکھ کہ آفتاب سجدے میں گرے
وہ دیکھ اٹھے دیوتا بھی کرنے کو سلام

.....

شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے
کس طرح اک نظر سے بدلتی ہیں ہستیاں

.....

کچھ اشعار تو ایسے ہیں جہاں وہ زمین و آسمان سے پرے، اس سے الگ ایک نیا جہان آباد کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش سستی رومانویت کا فرار نہیں اور نہ ہی یہ محض مبہم آرزوؤں کا اظہار ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک نئی کائنات کی تخلیق کے قابل سمجھتے ہیں اور اس کائنات کی تخلیق کا ذریعہ اپنی شاعری کو بناتے ہیں۔ نئی کائنات کا اظہار اس طرح کے اشعار میں ملتا ہے۔

Scanned by CamScanner

عشق کی آزمائشیں اور فضاؤں میں ہوئیں
پاؤں تلے زمیں نہ تھی ، سر پہ یہ آسماں نہ تھا
پیدا کرے زمین نئی آسماں نیا
اتنا تو لے کوئی اثر دور کائنات
شاعر ہوں ، گہری نیند میں ہیں جو حقیقتیں
چونکا رہے ہیں ان کو بھی میرے توہمات

فراق کی یہ کائنات ایسی کائنات ہے جس میں عشق کی حکمرانی ہے، عشق انہیں ایک ایسی نظر دیتا ہے جو سارے پرانے معیاروں اور قدروں کو ختم کر کے نئی قدروں کی تخلیق کرتا ہے۔ اس میں حسن بھی نیا ہے اور عشق بھی نیا۔ نہ تو ہم حسن کو روایتی اوصاف سے جان سکتے ہیں اور ہی عشق کو پرانے پیمانوں سے ناپ سکتے ہیں۔ ان کا عشق، حسن ہے اور ان کا حسن، عشق ہے۔ وہ حسن و عشق کی خود ایک تصویر ہیں۔

وحدت عاشق و معشوق کی تصویر ہوں میں
نل کا ایثار تو اخلاص دمن مجھ کو دیا

فراق کا حسن اپنے اندر عشق کا گداز اور عشق کی سپردگی رکھتا ہے اور ان کا عشق، حسن کی آن بان اور سیمابیت کا مظہر ہے۔

بہت نہ بیکسی عشق پر کوئی روئے
کہ حسن کا بھی زمانے میں کوئی دوست نہیں
نہ رہا حیات کی منزلوں میں وہ فرق نازو نیاز بھی
کہ جہاں ہے عشق برہنہ پا، وہیں حسن خاک بسر بھی ہے

Scanned by CamScanner

ترے جمال کی تنہایوں کا دھیان نہ تھا
میں سوچتا تھا مرا کوئی غمگسار نہیں
فریب ہجر وہی ہے ، وہی فریب وصال
ابھی کہاں تجھے کھویا، ابھی کہاں پایا

انہیں وصل میں ہجر کا لطف ملتا ہے اور ہجر میں وہ وصل کی خوشی سے مسکرا اٹھتے ہیں ۔ احساسات کا یہ جہان نو فراق کے جذبۂ عشق کی تخلیق ہے اور اس تخلیق پر انہیں ناز ہے۔

میں نے اس آواز کو مرمر کے پالا ہے فراقؔ
آج جس کی نرم لو ہے شمع محراب حیات

فراق کو اس کا احساس بھی ہے کہ وہ معنی کا ایک نیا جہان پیدا کر رہے ہیں اور یہ معنی آفرینی ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جو الہام کے قریب تر ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

کار مرقع ساز نہیں فن شاعری
لیتا ہے لفظ لفظ غزل میں نیا جنم

لیکن جب شاعرانہ تخیل کی یہ بلند پرواز گرد و پیش کے حقائق سے ٹکراتی ہے تو ان کی شخصیت خود اپنے آپ سے خوف زدہ ہو جاتی ہے لیکن یہ خوف زدگی ان کی شاعری میں بہت کم اظہار پاتی ہے بلکہ اس کا اظہار ان کی روزمرہ زندگی میں ہوتا ہے اور وہ شدید عدم تحفظ کا شکار ہو کر دولت سمیٹنے کی خواہش کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں کیونکہ دولت بھی ایک طاقت ہے۔ چنانچہ دولت سمیٹنے کی خواہش انہیں در بدر پھراتی ہے۔ جوانی میں جب تک رگوں میں خون کی گردش تیز رہی، عدم تحفظ کے احساس نے انہیں جارح بنائے رکھا۔

Scanned by CamScanner

لیکن جب بڑھاپا آن پہنچا تو اسی احساس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آہنی سلاخوں اور قفلوں کے پیچھے پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

دراصل فراق کی پوری شخصیت ہی مجموعۂ اضداد تھی۔ یہ بات جس قدر آسانی سے کہہ دی گئی ہے، اتنی صحیح نہیں ہے۔ مجموعۂ اضداد ایک جامد شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ فراق کے ہاں صرف اجتماع ضدین ہی نہیں بلکہ نزاع بین القطبین پایا جاتا ہے کیونکہ وہ ایک dynamic اور متحرک شخصیت تھے۔ اس لیے ان کے اندر مختلف قوتیں باہم برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ وہ کبھی ایک محرک کے زیر اثر ہوں اور کبھی دوسرے کے، جیسا کہ عموماً جامد شخصیات کے ہاں ہوتا ہے بلکہ فراق کا ہر عمل بیک وقت دو یا دو سے زیادہ قوتوں کے زیر اثر ہوتا ہے۔ ایک ہی چیز انہیں بیک وقت دلکش بھی لگتی ہے اور دل آزار بھی۔ جہاں وہ تہذیب کا رونا روتے دکھائی دیتے ہیں، وہیں وہ یہ رونا بھی گالیوں کی زبان میں روتے ہیں۔ فراق کی شخصیت میں ایک طرف بہیمانہ عناصر کارفرما تھے تو دوسری طرف انہیں انسانیت سے بڑی محبت تھی۔ ایک طرف ان میں نفرت کا جذبہ اپنی انتہائی شکل میں نظر آتا ہے تو دوسری طرف وہ دنیا بھر کو اپنی محبت سے نہلا دینا چاہتے تھے۔ ان کی شخصیت شدید اور انتہا پسند رویوں کے باہمی تعامل، کرب و اضطراب اور زندگی کے زہر کو خود ہی اپنے ہاتھوں تریاق بنانے کے عمل کی وجہ سے بہت پیچ در پیچ اور تہہ دار بن گئی تھی۔ بعض واقعات و تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فراق کا وہ روپ جو انہوں نے معاشرے میں اپنی حیثیت متعین کرنے کے لیے دھارا، کچھ زیادہ جاذب نظر نہیں۔ ان کا کردار مثبت رویوں کی عکاسی کرنے کی بجائے معاشرتی قوتوں سے انحراف یا ان قوتوں سے تصادم کے نتیجے میں بنا۔ فراق کبھی روایات کے ساتھ بندھ کر نہیں رہے۔ دراصل ان کی شخصیت اتنی بڑی تھی (یہ بات واضح رہے کہ بڑی اور عظیم دو الگ الگ چیزیں ہیں) یعنی اس میں پھیلاؤ اس قدر زیادہ تھا، اس کے امکانات اتنے وسیع تھے کہ اسے کسی ایک کردار کے تابع کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ ان کی شخصیت اپنے اندر ایک ایسا وفور رکھتی تھی جو ہر

Scanned by CamScanner

بند کو توڑ کر، اچھل کر بیکراں ہونے کے لیے بیتاب رہتا تھا۔ اس کا اظہار ان کے تمام افعال و حرکات سے بھی ہوتا تھا۔ وہ زندگی کی متضاد و متخالف راہوں پر بیک وقت سفر کرنے والے مسافر تھے۔ اسی لیے وہ عقل اور شعور کی گرفت میں بڑی مشکل سے آتے ہیں۔ وہ ایک مضطرب اور سیال شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے ہر جذبے میں انتہائی شدت ہوتی تھی۔ مزاج میں سوداویت کا بھی غلبہ تھا۔ اسی لیے شمیم حنفی نے لکھا ہے کہ ''ان میں کچھ نیم وحشیانہ صفات'' پیدا ہوگئی تھیں۔ مجنوں گورکھپوری کا کہنا ہے کہ ان میں گنوار پن کی حد تک بڑھی ہوئی معصومیت موجود تھی۔ وہ ابتداء ہی سے ذکی الحس واقع ہوئے تھے۔ بدو پتی سہائے (فراق کے سب سے چھوٹے بھائی) اکثر کہا کرتے تھے کہ ''فراق صاحب کی زندگی شدید نفرت پر مبنی ہے''۔ فراق کو خود بھی تسلیم ہے کہ ''جب سے میری شادی ہوئی میرا وجود غصہ اور نفرت کا پکا پھوڑا بن کر رہ گیا ہے''۔ (من آنم۔ص ۵۳)

فراق کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دوسرے لمحے میں کیا کر ڈالیں گے۔ وہ صورت حال کی نزاکت کا احساس کیے بغیر اپنے غصے اور نفرت کے زیر اثر آجاتے تھے۔ فراق شناسی کے ضمن میں ان کی شخصیت کے سبھی پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی شخصیت معصومیت و شیطنت، کھلی ہوا کی طلب اور آہنی سلاخوں کے پیچھے پناہ لینا، احساس تنہائی اور محفل آرائی، فیاضی و کنجوسی، برائی و بھلائی، صاحب و ملازم کی تفریق سے نفرت، رضائی لے کر پنکھے چلوانا، حسن پرستی اور غلاظت سے گھن بھی نہ آنا، انسانیت پر اٹل ایمان اور دوسرے معزز افراد کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا، توہم پرستی و عقل پسندی، غفلت و ہوشیاری، آگہی و خود فراموشی، بلندی و پستی، ارضیت و آفاقیت، مادیت و روحانیت، کثافت و لطافت، تنظیم و انتشار، دیوانگی و فرزانگی، روشنی و تاریکی اور خیر و شر کی ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش کی آماجگاہ بن گئی تھی۔ گویا ان کی شخصیت جنت و جہنم دونوں سے مل کر بنی تھی۔

Scanned by CamScanner

میرے دوستوں کو معمہ ہے مری نور و نار کی زندگی
جو اِدھر چراغ حرم کی لو تو اُدھر بھی کفر ہے شعلہ زن
کبھی ہو سکا تو بتاؤں گا تجھے راز عالم خیر و شر
کہ میں رہ چکا ہوں شروع ہی سے گہے ایزد و گہے اہرمن

اسی کشمکش نے ان کی اس مخصوص فکر کو جنم دیا جسے گناہ و ثواب، خیر و شر اور اخلاقیات کے مروجہ پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ ان کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شخصیت کے نہاں خانوں سے ابھرنے والے طوفانوں سے خود کو بنانے، سنوارنے اور پانے کی بھرپور کوشش کی اور جس کے نتیجہ میں وہ اپنی شاعری کے منفرد شعلے کو مزید تابناک بنانے میں کامیاب رہے۔

Scanned by CamScanner